محرم الحرام کے فضائل ومسائل اور صوم عاشوراء

تحریر: حافظ مبشر حسین لاہوری

محرم الحرام ہجری تقدیم کا پہلا مہینہ ہے جس کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کے واقعہ ہجرت پر ہے۔ گویا مسلمانوں کے نئے سال کی ابتداء محرم کے ساتھ ہوتی ہے۔ ماہ محرم کے جو فضائل ومناقب صحیح احادیث سے ثابت ہیں، ان کی تفصیل آئندہ سطور میں رقم کی جائے گی اور اس کے ساتھ ان بدعات وخرافات سے بھی پردہ اٹھایا جائے گا جنہیں اسلام کا لبادہ اوڑھا کر دین حق کا حصہ بنانے کی مذموم کوششیں کی گئی ہیں۔

محرم، حرمت وتعظیم والا مہینہ ہے: قرآن مجید میں ہے کہ: ﴿ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله یوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذالک الدین القیم فلا تظلموا فیهن انفسکم﴾ (التوبہ:۳۶) ''اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں مہینوں کی گنتی بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چار مہینے ادب واحترام کے لائق ہیں، یہی درست دین ہے۔ لہٰذا ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو''۔ یعنی ابتدائے آفرینش ہی سے اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرما رکھے ہیں جن میں چار کو خصوصی ادب احترام اور عزت وتکریم سے نوازا گیا۔ یہ چار مہینے کون سے ہیں، ان کی تفصیل صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''زمانہ اپنی اسی حالت پر واپس لوٹ آیا ہے کہ جس پر وہ اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔ سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں، تین تو لگاتار ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مضر قبیلے کا ماہ رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے''۔ (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ التوبہ:۴۶۶۲/مسلم کتاب القسامہ، باب تغلیظ تحریم الدماء ۱۶۷۹)

مذکورہ حدیث میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: ایک تو یہ کہ محرم بھی حرمت والے مہینوں میں شامل ہے اور دوسری یہ کہ زمانہ اپنی سابقہ حالت وہیئت پر واپس لوٹ آیا ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ دور جاہلیت میں بھی لوگ حرمت والے مہینوں کا احترام کرتے اور جنگ وجدل اور قتل وغارت گری کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ اپنے طور پر مہینوں کی تقدیم وتاخیر کر لیتے۔ اگر بالفرض محرم کا مہینہ ہے تو اسے صفر قرار دے لیتے اور (محرم میں اپنے مقصد پورے کرنے کے بعد) اگلے ماہ یعنی صفر کو محرم قرار دے کر لڑائی جھگڑے موقوف کر دیتے۔ قرآن مجید نے

اس عمل کو نسیئ قرار دے کر زیادت کفر سے تعبیر فرمایا۔ (التوبہ:۳۷) جس سال نبی اکرم ﷺ نے حج فرمایا، اس سال ذوالحجہ کا مہینہ قدرتی طور پر اپنی اصلی حالت پر تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مہینوں کے ادل بدل کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت پر واپس لوٹ آیا ہے۔ یعنی اب اس کے بعد مہینوں کی وہی ترتیب جاری رہے گی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے جاری فرما رکھا ہے۔

دونوں باتوں کا حاصل یہی ہے کہ محرم ادب واحترام والا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ادب واحترام والا بنایا جب کہ اس کے آخری رسول ﷺ نے اس کی حرمت کو جاری رکھا اور عرب کے جاہل بھی اس کا اس قدر احترام کرتے کہ احترام کے منافی کسی عمل کے جواز کے لئے کم از کم اتنا حیلہ ضرور کر لیتے کہ فرضی طور پر حرمت والے مہینے کو کسی دوسرے غیر حرمت والے مہینے سے کو کسی دوسرے حرمت والے مہینے سے بدل لیتے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات از خود سمجھ آجاتی ہے کہ ماہ محرم کی حرمت و تعظیم کا حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں جو اس مہینے کی حرمت کی کڑیاں واقعہ کربلا اور شہادت حسینؓ سے ملاتے ہیں۔ اس لئے کہ ماہ محرم کی حرمت تو اس دن سے قائم ہے جس دن سے یہ کائنات بنی ہے۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی گزشتہ آیت ﴿یوم خلق السموات و الارض﴾ سے واضح ہے۔

علاوہ ازیں سانحہ کربلا قطع نظر اس سے کہ اس میں حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت ہوئی، کا دین اسلام سے اس معنی میں کوئی تعلق نہیں کہ اس میں دین کی حفاظت کا کوئی مسئلہ درپیش تھا بلکہ اول تو دین اسلام حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت سے کئی عشروں پہلے نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا﴾ (المائدہ:۲)

اور دوم یہ کہ دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون﴾ معلوم ہوا کہ یہ تصور جہالت ولاعلمی پر مبنی ہے کہ ماہ محرم کا ادب واحترام شہادت حسینؓ کا مرہون منت سمجھا جائے بلکہ شہادت حسینؓ سے پہلے اسی ماہ کی یکم تاریخ کو عمر فاروقؓ جیسے خلیفہ راشد کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آچکا تھا۔ مگر اس وقت سے آج تک کبھی حضرت عمرؓ کا واقعہ شہادت اس انداز سے پیش نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اگر کسی بڑے آدمی کی موت یا شہادت کسی مہینے کے ادب واحترام کی علامت ہوتی تو عمر فاروقؓ جیسے صحابی رسول ﷺ اپنے علمی، دینی، روحانی اور خلیفہ ثانی ہونے کے حوالے سے حضرت حسینؓ کی شہادت پر کیا جاتا ہے۔ مزید برآں حضرت عثمانؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور دیگر اکابر وجلیل القدر صحابہ کرام کی

شہادتیں بدرجہ اولیٰ یہ استحقاق رکھتی ہیں مگر اہل سنت ان تمام شہادتوں پر نوحہ و ماتم اور مجالس عزا وغیرہ کا اہتمام اس لئے نہیں کرتے کہ اسلام ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا اور جو ایسا کرتا ہے اس کا دین وایمان خطرے میں ہے اور اسلام کا نوحہ و ماتم سے کوئی تعلق نہیں۔

محرم کے روزوں کی فضیلت: رمضان المبارک کے روزے سال بھر کے دیگر تمام روزوں سے افضل ہیں۔ البتہ رمضان کے ماسوا محرم کے روزوں کی فضیلت سب سے بڑھ کر ہے جیسا کہ درج ذیل صحیح احادیث سے ثابت ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات (یعنی تہجد) کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے''۔ (صحیح مسلم، کتاب الصیام) صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ''فرض نمازوں کے بعد کون سی نماز سب سے افضل ہے اور رمضان المبارک کے بعد کونسے روزے سب سے افضل ہیں؟ تو آپ ﷺ نے وہی جواب دیا جو پہلی حدیث (مسلم: ۱۱۶۳) میں مذکور ہے''۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ایک آدمی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں، میں روزے رکھنا چاہوں تو آپ ﷺ کس مہینے کے روزے میرے لئے تجویز فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے روزے رکھنا چاہے تو محرم کے مہینے میں روزے رکھنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ اس میں ایک دن ایسا ہے کہ جس دن اللہ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور ایک قوم کی توبہ (آئندہ بھی) قبول فرمائیں گے''۔ (ترمذی: کتاب الصوم، باب ماجاء فی صوم المحرم: ۷۴۱) واضح رہے کہ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو ''حسن'' قرار دیا ہے جبکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق نامی راوی کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لہٰذا سنداً یہ روایت ضعیف ہے۔ تاہم محرم کا شہر اللہ ہونا اور اس کے روزوں کا رمضان کے سوا دیگر مہینوں کے روزوں سے افضل ہونا دیگر صحیح روایات سے ثابت ہے۔

یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت: حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا''۔ (مسلم: کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام: ۱۱۶۲) واضح رہے کہ ''عاشورہ عشر سے ہے جس کا معنی ہے دس، اور محرم کی دسویں تاریخ کو عاشوراء کہا جاتا ہے۔ البتہ مذکورہ فضیلت دسویں تاریخ کے روزے کی ہے یا نویں کی، اس میں اہل

علم کا شروع سے اختلاف چلا آتا ہے۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ''قریش کے لوگ دور جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے اور نبی اکرم ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو تب بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا آپ ﷺ نے حکم دے رکھا تھا۔ البتہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کی فرضیت ختم ہوگئی۔ لہٰذا اب جو چاہے یہ روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے''۔ (بخاری: کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء ۲۰۰۲ - مسلم: کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء: ۱۱۲۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ یوم عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمان بھی اس دن روزہ رکھتے۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عاشورا اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک معزز) دن ہے لہٰذا جو اس دن روزہ رکھنا چاہے وہ روزہ رکھے اور جو نہ رکھنا چاہے وہ نہ رکھے''۔ (مسلم: ایضاً: ۱۱۲۶)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ کیوں رکھتے تھے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہر سال ماہ محرم کی اس تاریخ کو بیت اللہ کو غلاف پہنایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ایک حدیث میں ہے (بخاری: ۱۵۸۲) لیکن اس پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قریش غلاف کعبہ کے لئے یہی دن کیوں خاص کرتے تھے؟ تو اس کا جواب (اور پہلے سوال ہی کا دوسرا جواب) یہ ہوسکتا ہے جو حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ: ''دور جاہلیت میں قریش نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جو ان پر بڑا گراں گزرا تو ان سے کہا گیا کہ تم لوگ عاشوراء کا روزہ رکھو یہ تمہارے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ پھر اس وقت سے قریش عاشوراء کا روزہ رکھنے لگے''۔ (فتح الباری: ۴/۳۷۷، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشورا)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک اچھا (افضل) دن ہے اور یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات بخشی (اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت بحیرہ قلزم میں غرقاب کیا) تو حضرت موسیٰؑ نے (بطور شکرانہ) اس دن روزہ رکھا (اور ہم بھی روزہ رکھتے ہیں) تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰؑ کے (شریک مسرت ہونے میں) تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی روزہ

رکھنے کا حکم فرمایا‘‘۔ (بخاری: ایضاً ۲۰۰۴/مسلم ۱۱۲۰) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ’’میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ میں سے دسویں محرم (یوم عاشورا) کے اور مہینوں میں سے ماہ رمضان کے روزوں کے سوا کسی اور روزے کو افضل سمجھ کر اس کا اہتمام کرتے ہوں‘‘۔ (بخاری، ایضاً ۲۰۰۶/مسلم ایضاً: ۱۱۳۲)

حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ ’’عاشورا کے روز یہودی عید مناتے مگر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھا کرو‘‘۔ (بخاری: ۲۰۰۵/مسلم: ۱۱۳۱) ابوموسیٰؓ سے مروی مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ ’’اہل خیبر عاشورا کے روز، روزہ رکھتے اور اس دن عید مناتے اور اپنی عورتوں کو اچھے اچھے لباس اور زیورات پہناتے مگر اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھو‘‘۔ (مسلم: ۲۶۶۱)

حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ نبو اسلم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں جا کر یہ اعلان کرے کہ ’’جس نے کچھ کھا پی لیا ہے، وہ اب باقی دن کھانے پینے سے رکا رہے اور جس نے کچھ نہیں کھایا، وہ روزہ رکھے کیونکہ آج عاشورا کا دن ہے‘‘۔ (بخاری: ۲۰۰۷/مسلم: ۱۱۳۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب دسویں محرم کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! اس دن کو یہود ونصاریٰ بڑی تعظیم واہمیت دیتے ہیں۔ (یعنی ان کی مراد یہ تھی کہ آپ تو ہمیں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیتے ہیں اور یوم عاشورا کے معاملہ میں تو ان کی موافقت ہو رہی ہے۔) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’آئندہ سال اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے‘‘۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ انتقال فرما گئے‘‘۔ (مسلم: ۱۱۳۴) مسلم کی ایک روایت کے لفظ یہ ہیں ’’اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو ضرور نو کا روزہ رکھوں گا‘‘۔ (مسلم: ایضاً)

روزہ نو محرم کو یا دس کو؟ عاشورا کے روزے کے بارے میں اہل علم کا شروع سے اختلاف چلا آتا ہے کہ یہ روزہ نو تاریخ کو رکھا جائے یا دس کو، یا نو اور دس دونوں کے روزے رکھے جائیں؟ وجہ اختلاف صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث ہے جس میں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ’’آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو تاریخ کا روزہ رکھوں گا‘‘۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کو عملی طور پر نو کا روزہ رکھنے کا موقع نصیب نہ ہو سکا تاہم آپ ﷺ کا یہ فرمان دسویں محرم کے روزے کے لئے بطور ناسخ ہے اور اب صرف اور

صرف نو ہی کا روزہ رکھنا چاہئے۔ جبکہ بعض اہل علم اس کے برعکس اس موقف کے حامل ہیں کہ نو اور دس دونوں دنوں کا روزہ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اصل فضیلت والا دن تو دسویں محرم کا ہے۔ جبکہ یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے ساتھ نویں محرم کا روزہ بھی شامل ہو جائے گا اور اس طرح دونوں صورتوں یعنی فضیلت عاشورا اور مخالفت یہود ونصاریٰ پر عمل ہو جائے گا۔ لہٰذا نو اور دس دونوں تاریخوں کے روزے از بس فضیلت کے لئے ضروری ہیں۔ ہمارے خیال میں اس مسئلہ میں وسعت پائی جاتی ہے، اس لئے مندرجہ دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ ہی اسے خاص کر دینا اور اسکے برعکس دوسری کو غلط قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے ان دونوں صورتوں کے الگ الگ مضبوط دلائل موجود ہیں، مثلاً ☆ صرف نو کا روزہ رکھنے کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے کہ آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو کا روزہ رکھوں گا۔ اب حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی تقاضا ہے کہ نو ہی کا روزہ رکھا جائے باقی رہی یہ بات کہ اصل فضیلت تو دسویں محرم کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے فضیلت کا معیار شریعت ہے۔ اگر شریعت دس کی بجائے نو کو باعث فضیلت قرار دے دے تو پھر نو ہی کی فضیلت سمجھی جائے گی اور یہی وجہ ہے کہ جب حکم بن اعرج نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یوم عاشورا کے روزے کا سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''جب محرم کا چاند دیکھ لو تو دن گننا شروع کر دو اور نویں تاریخ کو روزہ کے ساتھ صبح کرو''۔ سائل نے پوچھا ''کیا اللہ کے رسول ﷺ اسی دن روزہ رکھتے تھے؟'' تو ابن عباسؓ نے جواب دیا ہاں!'' (مسلم: کتاب الصیام، باب ای یوم الصیام فی عاشورہ: ۱۱۳۳) اگر چہ آنحضرت ﷺ دسویں محرم کو روزہ رکھتے رہے مگر عبداللہ بن عباسؓ نے نویں محرم کے روزے کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف اس لئے کر دی کہ آنحضرت ﷺ یہ فرما چکے تھے کہ آئندہ سال میں نو کا روزہ رکھوں گا۔ گویا اب نویں کو ہی سنت سمجھا جائے گا، اگر چہ عملی طور پر حضور کو یہ موقع نہیں مل سکا کہ آپ ﷺ نو کا روزہ رکھتے۔ ☆ دس کا روزہ رکھنے والوں کی پہلی دلیل تو یہی ہے کہ اصل فضیلت والا دن دس محرم ہے اور اسی دن آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام روزہ رکھتے رہے۔ تاہم اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان آئندہ سال میں نو کا روزہ رکھوں گا، اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ میں دس کا روزہ چھوڑ دوں گا۔ بلکہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ دسویں کے ساتھ نویں کا روزہ بھی رکھوں گا تا کہ یہود ونصاریٰ کی بھی مخالفت ہو سکے اور عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا ''نو اور دس (دونوں کا) روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو''۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی) اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی یہ حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو میں یہ حکم ضرور دوں گا کہ دسویں محرم

سے پہلے یا اس کے بعد (یعنی گیارہویں محرم) کا ایک روزہ (مزید) رکھوں''۔

یہ روایت مسند حمیدی (۴۸۵) اور سنن کبریٰ از بیہقی (۴/ ۲۸۷) میں موجود ہے مگر اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ (جن کا نام محمد بن عبد الرحمٰن ہے) ضعیف راوی ہے۔ جبکہ امام ابن عدی نے یہ روایت ''الکامل'' (۳/ ۹۵۶) میں درج کی ہے اور اس کی سند میں داؤد بن علی نامی راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ایک تیسری صورت: بعض اہل علم مندرجہ بالا اختلاف سے بچتے ہوئے ایک تیسری صورت یہ پیش کرتے ہیں کہ نو، دس اور گیارہ تینوں تاریخوں کے پے در پے روزے رکھ لئے جائیں۔ بطور دلیل عبداللہ بن عباسؓ سے مروی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یوم عاشورا کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔ (اس مخالفت کا طریقہ یہ ہے کہ) یوم عاشورا (دس محرم) کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو''۔

یہ روایت مسند احمد (۱/ ۲۴۱) ، ابن خزیمہ (۲۰۹۵)، الکامل (۳/ ۹۵۶)، السنن الکبریٰ للبیہقی (۴/ ۲۸۷) وغیرہ میں موجود ہے مگر اس کی سند میں بھی ابن ابی لیلیٰ اور داؤد بن علی نامی دو راوی ضعیف ہیں۔ لہٰذا یہ قابل حجت نہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ روایت میں ''او'' (قبلہ یوماً 'او' بعدہ یوما) بمعنیٰ 'یا' ہے۔ جبکہ بعض طرق میں یہاں 'و' بمعنیٰ 'اور' ہے۔ جس کے پیش نظر بعض اہل علم نے تین دن (۹، ۱۰، ۱۱) کے روزے رکھنے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ (فتح الباری: ۴/ ۷۷۳) مگر محل استشہاد روایت ہی ضعیف ہے، اس لئے یہ موقف کمزور ہے۔

احتیاط کا تقاضا: مذکورہ اختلافی مسئلہ میں اگر احتیاط کا پہلو مدنظر رکھا جائے تو پھر یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نو اور دس دونوں کا روزہ رکھا جائے۔ کیونکہ اگر شریعت کی منشا نو اور دس دونوں کا روزہ رکھنے میں ہوئی تو اس پر عمل ہو جائے گا اور اگر نو کا روزہ رکھنے میں ہوئی تو تب بھی نو کا روزہ رکھا جائے گا اور دس کا روزہ اضافی نیکی قرار پائے گا۔ علاوہ ازیں اس طرح یوم عاشورا کی فضیلت اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت دونوں ہی پر عمل بھی ہو جائے گا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ ''بعض اہل علم کے بقول صحیح مسلم میں مروی اس حدیث نبوی میں ''اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو کا ضرور روزہ رکھوں گا''۔ کے مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ یوم عاشورا کے روزہ کے لئے دس کی بجائے نو کا روزہ مقرر کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ دس کے ساتھ نو کا روزہ بھی مقرر فرمانا چاہتے تھے۔ (اب اگر آنحضرت ﷺ اس کے بعد اگلے محرم تک زندہ رہتے تو آپ ﷺ کے عمل سے مذکورہ دونوں صورتوں میں ایک صورت ضرور متعین ہوتی) مگر آپ ﷺ کسی صورت کو متعین کرنے سے پہلے

وفات پا گئے تھے، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ نو اور دس کا روزہ رکھا جائے''۔ (فتح الباری)

واضح رہے کہ بغرض احتیاط نو اور دس کا روزہ رکھنے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ صرف نو کا روزہ رکھنے والوں کے خلاف فتویٰ بازی کی جائے بلکہ صرف نو کے روزہ کی گنجائش بھی بہرحال موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

محرم میں روزوں کے منافی امور: حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ماہ محرم میں روزے رکھنا مسنون اور افضل ترین عمل ہے، حتیٰ کہ رمضان المبارک کے بعد ماہ محرم کے روزوں کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اور محرم میں بھی نویں اور دسویں کا روزہ دیگر دنوں کے روزوں سے افضل ہے، لیکن افسوس کہ جیسے ہی محرم کا مہینہ شروع ہوتا ہے، روزوں کے منافی امور کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ شہادت حسین کی یاد میں دودھ، پانی یا مشروبات کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں، دیگیں پکا کر لوگوں میں کھانا تقسیم کیا جاتا ہے، خوش ذائقہ ماکولات و مشروبات کا اہتمام کر کے فاتحہ خوانی کی محفلیں قائم کی جاتی ہیں اور جوں جوں دسویں محرم کا دن قریب آتا ہے، توں توں ان امور کے دائرہ میں وسعت اور تیزی آتی چلی جاتی ہے۔ گویا محرم اور یوم عاشورا کے موقع پر آنحضرت ﷺ جتنا اہتمام روزے کا فرمایا کرتے اور صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب دلاتے، دور حاضر کے مسلمان ماہ محرم میں اتنا ہی اس کے منافی دعوتوں اور ضیافتوں کا اہتمام کرنے لگے ہیں، اور پھر اسے یقینی بنانے اور مسلسل قائم رکھنے کے لئے سرکاری طور پر ملک بھر میں چھٹی بھی منائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو بعض لوگ مذکورہ امور کی شرعی حیثیت کی چھان پھٹک کئے بغیر ہر اس رسم، رواج اور طریقے کی اتباع شروع کر دیتے ہیں جسے کسی قوم، قبیلے یا فرقے میں خاصا مقام اور شہرت حاصل ہو، جبکہ دوسری طرف بعض لوگ مذکورہ امور کے ثبوت کے لئے شرعی و عقلی دلائل بھی پیش کرنے لگتے ہیں، مثلاً یہ کہ:

یزید کے لشکروں نے شہدائے کربلا کا پانی بند کر دیا تھا، اس لئے شہدائے کربلا سے اظہار محبت کے لئے ضروری ہے کہ ان کے نام پر پانی ہی نہیں بلکہ اچھے اچھے مشروبات کی بھی سبیلیں لگائی جائیں۔ شہدائے کربلا کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے ماکولات و مشروبات کا اہتمام کر کے فاتحہ خوانی کی محفلیں قائم کرنی چاہئیں۔

یہ (من گھڑت) روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ ''جس شخص نے عاشوراء کے روز اپنے اہل و عیال (کے رزق کے معاملہ) پر فراخی و کشادگی کی، اللہ تعالیٰ سال بھر اس پر کشادگی فرماتے رہیں گے۔

اگر قرآن و سنت کی تعلیمات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو مذکورہ امور کے جواز کی نہ کوئی گنجائش ملے گی اور نہ ہی کوئی معقول وجہ!!! اول تو اس لئے کہ ماہ محرم میں روزے رکھنا مسنون ہے جبکہ ماکولات و مشروبات کے اہتمام سے نہ صرف روزوں کی مسنون حیثیت مجروح ہوتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک بدعت بھی رواج پاتی ہے۔

دوم اس لئے کہ شہدائے کربلا یا دیگر فوت شدگان کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے فاتحہ خوانی کی یہ صورتیں قرآن وسنت اور عمل صحابہ سے ثابت ہی نہیں، لیکن اس کے باوجود ان صورتوں کو دین کا حصہ اور اجر وثواب کا ذریعہ سمجھ کر قائم کرنا بدعت نہیں تو پھر کیا ہے؟

رہی یہ بات کہ شہدائے کربلا کا پانی بند کیا گیا تھا تو یہ قصہ ہی جھوٹا اور بے سند ہے، جبکہ خود شیعہ ہی کی بعض کتابوں سے اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب قافلے کے لئے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ زمین کھودتے اور فوراً میٹھے پانی کا چشمہ بہ نکلتا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: جلاء العیون، باب ۵ ص ۴۵۹، ناسخ التواریخ ص ۳۲۶ ج ۲، تصویر کربلا از سید آل محمد، ص ۳۱)

اگر بالفرض بندش آب کے قصہ کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت حسینؓ سے اظہار محبت کے لئے ماہ محرم میں اتنے دن پیاسا رہنے کا مظاہرہ کیا جاتا، جتنے دن ان سے پانی روکے رکھا گیا تھا۔

ماکولات ومشروبات کے خصوصی اہتمام کی جو روایت بطور دلیل پیش کی جاتی ہے وہ محدثین کے ہاں بالاتفاق جھوٹی (موضوع) روایت ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: ''عاشورا کے روز فضائل کے سلسلہ میں اہل وعیال پر فراخی وکشادگی اور مصافحہ وخضاب وغسل کی برکت وغیرہ کے متعلق جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس دن ایک خاص نماز پڑھنی چاہئے ...... یہ سب رسول اللہ ﷺ پر کذب وافترا ہے۔ محرم میں عاشوراء کے روزے کے سوا کوئی عمل بسند صحیح ثابت نہیں''۔ (منہاج السنۃ: ۴/۱۱)

مذکورہ مسئلہ کی مزید تفصیل اور من گھڑت روایات کی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو: الموضوعات لابن جوزی (۲/۲۰۳) الآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة (۲/۹۴) الموضویات الکبریٰ (ص ۳۴۱) اور مجموع الفتاویٰ (۲/۳۵۴) یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سانحہ کربلا کے رنج وغم میں رافضی وغیرہ اس انتہاء کو پہنچ گئے کہ نوحہ وماتم سے دور جہالت کی ان قبیح رسومات کو زندہ کرنے لگے کہ جن سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ جبکہ ناصبی اور خارجی قسم کے لوگ رافضیوں کی عداوت میں سانحہ کربلا پر خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان ایام میں موکولات ومشروبات کا انتظام کرنے لگے، پھر ایصال ثواب اور سوگ کے نام پر یہ دونوں باتیں دیگر مسلمانوں میں بھی بڑی تیزی سے سرایت کرگئیں۔ حالانکہ راہ اعتدال یہی ہے کہ ان تمام بدعات وخرافات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے واقعہ کربلا کو مسلمانوں کے لئے عظیم سانحہ اور حادثہ فاجعہ قرار دیا جائے اور حضرت حسینؓ اور یزید سیاسی اختلافات اللہ کے سپرد کرکے دونوں کے بارے میں خاموشی کی راہ اختیار کی جائے۔